بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴

ٹیلیفون نمبر

إن الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء عسىٰ أن يبعثك ربك مقاماً محموداً

روزنامہ الفضل ربوہ

خطبہ نمبر ا

تار کا پتہ: ڈیلی الفضل ربوہ

فی پرچہ ڈیڑھ آنہ

یوم: پنجشنبہ

جلد ۴۴/۹ | ۶ صلح ۱۳۳۴ ہش * ۶ جنوری ۱۹۵۵ء | نمبر ۵

اخبار احمدیہ

ربوہ ۵ جنوری۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق آج کی اطلاع منظہر ہے کہ ــــ نزلہ کی شکایت ابھی باقی ہے۔ احباب حضور ایدہ اللہ کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے التزام سے دعائیں جاری رکھیں۔

آج اختتام جلسہ سالانہ کے سلسلے میں تین روز کی تعطیل کے بعد صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر کھل گئے۔

آج احمد نگر میں جامعہ احمدیہ کے طلبہ اور ممبران اسٹاف کی طرف سے مکرم مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری مبلغ انڈونیشیا مکرم رہ ہو جی ہدایت صاحب نائب صدر جماعتہائے انڈونیشیا اور مکرم حنیف یعقوب صاحب آف ٹرینی ڈاڈ کے اعزاز میں ایک دعوت چائے کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ربوہ اور احمد نگر کے بعض دیگر احباب بھی شریک ہوئے (اس بابرکت تقریب کا مفصل حال کل کے الفضل میں ملاحظہ فرمائیں)

مومنوں کی یہ علامت ہوتی ہے کہ وہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں

مجلس خدام الاحمدیہ کے علم انعامی کے متعلق فیصلہ۔ روزنامہ الفضل کی توسیع اشاعت کی تحریک

جلسہ سالانہ کے موقع پر مورخہ ۲۸ دسمبر کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر کا ملخص

(مرتبہ: خورشید احمد)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ ۲۸ دسمبر کو بعد نماز ظہر و عصر جلسہ سالانہ میں "سیر روحانی" کے موضوع پر جو پر معارف علمی تقریر فرمائی اس کے آغاز میں حضور نے بعض متفرق امور کی طرف بھی احباب جماعت کو توجہ دلائی تھی۔ یہ امور دراصل حضور کی ۲۷ دسمبر والی تقریر کا حصہ تھے۔ جو علالت طبع کی وجہ سے بیان ہونے سے رہ گئے۔ ان امور کا خلاصہ اپنے الفاظ میں افادۂ احباب کے لئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

مجالس خدام الاحمدیہ کا سالانہ مقابلہ

مجالس خدام الاحمدیہ میں بہترین کام کرنے اور علم انعامی حاصل کرنے کا جو سالانہ مقابلہ ہوا کرتا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے بتایا کہ اس مقابلہ کا فیصلہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ علاوہ مجالس کی رپورٹوں کے اپنے انسپکٹروں کو بھجوا کر کام کا جائزہ لینے کے بعد کیا کرتی ہے۔ اس سال اس نے جو فیصلہ کیا ہے۔ اس کی رو سے کراچی کی مجلس اول آئی ہے۔ دوسرے نمبر پر لاہور۔ تیسرے نمبر پر راولپنڈی چوتھے نمبر پر گوکھووال اور پانچویں نمبر پر خانیوال کی مجلس ہے۔ لیکن یہ سفارش کی گئی ہے کہ چونکہ سیلاب کے ایام میں لاہور کی مجلس نے غیر معمولی کام کیا ہے۔ اسلئے باوجود اس کے کہ مجموعی کارگزاری کے لحاظ سے اس کا نمبر کراچی کے بعد آتا ہے۔ پھر بھی اس سال علم انعامی لاہور کی مجلس کو دیا جائے۔

حضور نے فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ لاہور کی نیم مردہ سی جماعت میں اس سال وہاں کی مجلس خدام الاحمدیہ نے زندگی کی روح پھونک دی ہے اور اس کا سہرا زیادہ تر وہاں کے قائد محمد سعید احمد صاحب اور ان کے چار پانچ رفقاء کے سر ہے جنہوں نے بڑی محنت سے کام کیا۔ گذشتہ سیلاب کے ایام میں نہ صرف یہ کہ غیر معمولی طور پر لاہور کی مجلس نے خدمت خلق کا کام کیا۔ بلکہ اسے غیر معمولی طور پر پبلک میں روشناس بھی کرایا اور اس لحاظ سے اس کا کام واقعی خاص طور پر تعریف کے قابل ہے۔ لیکن یہ رسم ڈالنا نہیں چاہتا کہ علم انعامی اول آنے والی مجلس کو نہ دیا جائے یہ رسم حوصلے کو بڑھانے کی بجائے اسے پست کرنے کا موجب ہوگی۔ ہمارے کارکنوں کو یہ مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کہ جو مجلس اول نمبر پر ہو اسے اول نمبر ہی کا انعام دیا جائے۔ پس میں باوجود اس کے کہ مرکزی مجلس نے لاہور کو علم انعامی دینے کی سفارش کی ہے۔ یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ علم انعامی حسب قاعدہ کراچی کی مجلس خدام الاحمدیہ کو دیا جائے۔ مگر ساتھ ہی سیلاب کے ایام میں لاہور کی مجلس نے جو کام کیا اس کی تعریف بھی کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ہر مجلس کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتی رہے گی۔

نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو

قرآن مجید نے مومنوں کی شناخت ہی یہ بتائی ہے کہ وہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں یہ صفت جس قوم میں بھی پیدا ہو جائے اسے اتنا بلند کر دیتی ہے کہ اس کا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت یہی روح ہے جو زندگی کی علامت ہوتی ہے۔ جب کسی قوم میں مسابقت کی روح نہ رہے تو خواہ وہ کتنی ہی ترقی یافتہ ہو گرنا شروع کر دیتی ہے اور اگر کسی ذلیل سے ذلیل قوم میں بھی یہ روح پیدا ہو جائے۔ تو اس کے لئے آگے بڑھنے کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔

حضور نے فرمایا۔ مسابقت کی روح سے دلوں میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ پس ایک دوسرے سے نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ مگر ساتھ ہی اس امر کو بھی ہمیشہ مدنظر رکھو کہ جو قانون تم نے اپنے لئے بنایا ہے اسے چھوٹی چھوٹی وجوہ کی بنا پر نہ توڑا جائے۔ پس میں نے لاہور کی مجلس کی تعریف پہلے بھی کی تھی اور اب بھی کر دی ہے۔ اس تعریف کے بعد اس کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ کراچی سے علم انعامی لے لے۔ درحقیقت اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو جو قربانی کراچی کی مجلس کرتی آ رہی ہے۔ ابھی لاہور کی مجلس اس حد تک نہیں پہونچی۔

دنیا کے مختلف حصوں سے درخواستہائے دعا کی تاریں

اس کے بعد حضور نے ماریشس۔ شام۔ سیلون بورنیو۔ فلپائن۔ امریکہ۔ انگلستان۔ برما۔ کینیڈا۔ مسقط۔ مشرقی پاکستان۔ ہندوستان کشمیر اور مغربی و مشرقی افریقہ کے مختلف علاقوں سے مبلغین سلسلہ و احباب کی آمدہ درخواستہائے دعا پر مشتمل تاروں کا ذکر کیا اور احباب کو ان سب کے لئے دعا کی تحریک فرمائی۔

اخبارات سلسلہ کی توسیع اشاعت کی تحریک

حضور نے سلسلے کے اخبارات کی اشاعت بڑھانے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا۔

سلسلہ کے تمام اخبارات ہی اپنی اپنی جگہ ایسی خصوصیت رکھتے ہیں کہ ان کی توسیع اشاعت

مسعود احمد پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ سے طبع کرا کر دفتر الفضل ربوہ سے شائع کیا۔
ایڈیٹر: روشن دین تنویر

کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ جماعت میں اخبارات خریدنے اور پڑھنے کا چرچا اور رواج کم ہے۔

سب سے مقدم تو اخبار الفضل ہے۔ یہ روزانہ اخبار ہے۔ اور یہی ایک ایسا اخبار ہے۔ جس کے ذریعہ سے ساری جماعتوں تک مرکز کی اطلاعات پہنچتی ہیں۔ ہمارے پاس متواتر یہ رپورٹیں آتی ہیں کہ کئی ایسی جماعتیں ہیں۔ جن میں الفضل کا ایک بھی پرچہ نہیں جاتا۔ حالانکہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ کہا ہے۔ اگر چھوٹی جماعتوں کے دوستوں میں انفرادی طور پر اخبار منگوانے کی استطاعت نہیں ہے۔ تو وہ مل کر ایک پرچہ منگوا سکتے ہیں۔ تاکہ مرکز کے حالات اور اطلاعات ان تک پہنچتی رہیں۔

حضور نے فرمایا۔ درحقیقت اخبار اور سفر ہی دو ایسی چیزیں ہیں۔ جن سے کسی قوم کی ترقی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں انقلاب اور اضطرابی کیفیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اخبار بینی کی عادت بتاتی ہے۔ کہ روح میں انقلاب اور تغیر کی خواہش ہے۔ اسی طرح جو قوم سفروں کی عادی ہے۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی بے کلی اور اضطراب ہوتا ہے۔ جو اسے باہر نکلنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور یہ اضطراب بھی زندگی کی علامت ہوتا ہے۔

پس اگر ہماری جماعت اپنے اخباروں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتی۔ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ ترقی کی راہ پر پوری طرح گامزن نہیں ہے۔ پس اپنے اخباروں کی طرف توجہ کرو۔ اور بالخصوص الفضل کی اشاعت وسیع کرنے اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کرو۔

سندھ کے قصبات میں آباد ہونے کا موقع

وکالتِ زراعت کے بعض اعلانات پر کئی ایک احباب نے سندھ میں دوکانداری شروع کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اور ہم سے دوکانوں کے حصول میں امداد چاہی تھی۔ ایسے اور دیگر تمام احباب کی اطلاع کے لئے جو سندھ کے نئے قصبات میں آباد ہونا چاہیں۔ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کے فضل سے ہم نے کنری اور نبی سر روڈ میں متعدد دکانیں تعمیر کروائی ہیں۔ بعض دکانوں کے ساتھ رہائشی مکان بھی ملحق ہیں۔ جو احباب اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔ وہ بلا تاخیر ہمیں تحریر فرمائیں۔

خاکسار مشتاق احمد باجوہ وکیل الزراعت

زکوٰۃ کی ادائیگی اموال کو بڑھاتی ہے

روزنامہ الفضل ربوہ

مورخہ ۶ صلح ۱۳۳۱ھش

سلسلہ کا لٹریچر

جلسہ سالانہ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے اپنی تقریر میں سلسلے کے لٹریچر کے متعلق بھی اہم ارشادات فرمائے ہیں۔ حضور نے ان نئی تصنیفات کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ جو اس سال شائع ہوئی ہیں۔ ان سب میں سے جو بات اہم ترین ہے۔ وہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی تصنیفات ہیں جب ہمیں اپنے وطن مالوف قادیان دارالامان سے جبری ہجرت کرنی پڑی۔ تو سلسلہ کا شائع کردہ لٹریچر تقریبًا سارے کا سارا وہیں رہ گیا۔ یہ اس لحاظ سے تو اچھا ہوا۔ کہ ہمارے جو دوست قادیان میں مقیم رہے۔ ان کو اس سے فائدہ پہنچا۔ مگر جس افراتفری اور بے سروسامانی کی حالت میں ہمارا قافلہ پاکستان پہنچا۔ شروع شروع میں یہ ممکن نہ تھا۔ کہ بعض نہایت اہم وقتی امور کو جو بدلے ہوئے حالات سے پیدا ہونے ضروری تھے۔ چھوڑ کر سلسلہ کا لٹریچر ازسرنو یہاں شائع ہو سکے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ احباب کو اپنا لٹریچر مہیا نہ ہونے کا سخت قلق تھا اور اکثر احباب اس کے جلد از جلد شائع ہونے کے خواہشمند تھے مگر احباب کی یہ خواہش فورًا پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

ہمارے اولوالعزم امام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس کمی کو بے حد محسوس کرتے تھے۔ اور دوسرے اہم امور کی سرانجام دہی کے ساتھ ساتھ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے۔ کہ جس طرح ہو۔ اس کمی کو بھی پورا کیا جائے۔ اس کام کے آغاز کے لئے سب سے پہلی بات نئے مرکز کی تعمیر تھی۔ لاہور کی اقامت کی پریشان حالیوں میں بعض دوسرے ضروری کاموں کی طرح کوئی اور ہوتا۔ تو اس کام کے آغاز کا خیال بھی شاید آنا مشکل تھا۔ مگر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے اولوالعزم اور ہمہ گیر ذہن سے یہ امر پنہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ نئے مرکز کا ابھی ڈھانچہ بھی تکمیل نہیں پایا تھا۔ کہ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے اس طرف اپنی فوری توجہ مبذول فرمائی۔

سب سے پہلی ضرورت تو پریس کی تھی۔ ابھی تک اپنا کوئی پریس نہیں تھا۔ اس لئے سلسلہ کا لٹریچر لاہور ہی سے چھپوانا پڑا۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی ایک ضروری تصنیفات لاہور سے چھپوائی گئیں۔ اور خود سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی بعض کتب جن میں سے دیباچہ قرآن کریم جو زیادہ تر سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرت پر مشتمل ہے۔ اور جس میں ایسی چیزیں ہیں۔ جو قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے معلوم ہونی ضروری ہیں۔ اور جو ایک اچھوتے انداز سے بیان کی گئی ہیں شامل ہیں۔ لاہور سے بڑی تقطیع پر شائع کیا گیا۔ جو ہاتھوں ہاتھ احباب نے خرید لیا۔ اور اب اس کا دوسرا ایڈیشن اپنے پریس ضیاء الاسلام ربوہ سے شائع کیا گیا ہے۔

اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بھی کئی ایک اہم تصنیفات کچھ لاہور کے پریسوں میں اور کچھ اپنے پریس میں چھپ گئی ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی معرکۃ الآراء روحانی تقاریر جن کا سلسلہ کئی سالوں سے شروع ہے۔ اور جس کے لئے احباب بہت تڑپ رکھتے تھے۔ ایک حصہ خود اپنے پریس سے امسال شائع ہوا ہے۔ جس کا ذکر حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے بھی اپنی تقریر میں فرمایا ہے۔ اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لیکچر موسومہ "اسلامی اصول کی فلاسفی" بھی اپنے پریس میں چھپی ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ وہ عظیم الشان تصنیف ہے۔ جو درحقیقت قرآن کریم کی ایک انوکھی تفسیر ہے۔ اور روحانی دنیا میں ایک سنگ میل سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ حضور اقدس علیہ السلام کی ہر ایک تصنیف ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہے۔ لیکن ہماری ناقص رائے میں غیر اسلامی دنیا میں اسلام کا صحیح چہرہ دکھانے میں اسلامی اصول کی فلاسفی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ کراچی میں ہم نے ایک غیر احمدی کی ایک کتاب ایک دوست کے ذریعہ دیکھی تھی۔ جس کے مصنف نے اگرچہ تمہید میں احمدیت کے خلاف لکھا تھا۔ مگر اپنی کتاب میں صفحوں کے صفحے حرف بحرف اسلامی اصول کی فلاسفی اور آئینہ کمالات اسلام کے نقل کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کا ذکر ہم نے اسی وقت بھی کیا تھا۔ جب یہ کتاب ہمیں ملی تھی۔ اور مقابلہ کر کے کچھ حوالے بھی دیئے تھے۔ جیسا کہ احباب کو معلوم ہے۔ یہ لیکچر انگریزی اور اردو میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر دنیا میں پھیل چکا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ اگر کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں بھی اسے شائع کیا جائے تو کم ہے۔

لذتِ حکایت سے مدہوش ہو کر ہم اصل موضوع سے دور نکل گئے ہیں۔ خیر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ جس قدر سلسلہ کا لٹریچر اب تک ازسرنو شائع ہو چکا ہے۔ ضروری ہے۔ کہ احباب اسے جلد از جلد حاصل کر لیں۔ ورنہ انہیں اس وقت تک انتظار کرنا پڑیگا۔ جب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی تصنیفات کی اشاعت کا ایک دور پورا نہ ہو جائے۔ ابھی چھپی ہوئی بہت سی کتابیں پڑی ہیں۔ جن کا جلد نکل جانا اس لئے بھی ضروری ہے۔ کہ دوسری اہم تصنیفات اور لٹریچر بھی جلد از جلد شائع کیا جا سکے۔ کیونکہ سلسلہ کے پاس ابھی اتنا سرمایہ نہیں۔ کہ تمام لٹریچر یکدم شائع کر دے۔

پھر سچی بات تو یہ ہے۔ کہ کوئی احمدی صحیح معنوں میں احمدی نہیں رہ سکتا۔ جب تک وہ سلسلہ کے تمام لٹریچر سے واقف نہ ہو سلسلہ کے لٹریچر کے وسیع مطالعہ سے ہی ہم ان حقائق و معارف سے باخبر رہ سکتے ہیں، جو احمدیت نے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں۔ اور جو حصار جماعت کا گویا بنیادی پتھر ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری اکثر نئی پود سلسلہ کے لٹریچر کا مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے احمدیت کی خصوصیات سے مبرّا ہو رہی ہے۔ جب تک ہمارے نوجوان اس کا بکثرت مطالعہ جاری نہیں رکھیں گے۔ وہ اپنی خصوصیات کو فراموش کرتے رہیں گے۔ اور اس کام کا اپنا حصہ سرانجام دینے سے محروم رہیں گے۔ جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے اس جماعت کو کھڑا کیا ہے۔

اس لئے کوئی احمدی گھر سلسلہ کے لٹریچر کے پورے سیٹ سے خالی نہیں رہنا چاہیئے۔ ہمیں امید ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہماری یہ آواز بے اثر ثابت نہیں ہوگی۔ اور ہر فرد جماعت حتی الوسع سلسلہ کے لٹریچر کے مطالعہ کو تازہ جوش اور نئے عزم کے ساتھ اپنا روزانہ معمول بنا لیگا۔ اور کوئی نوجوان ایسا نہ رہے گا۔ جس کو اس پر پورا عبور نہ ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہو۔ آمین۔

ولادت: میری بہن یعنی اہلیہ صاحبہ بابو محمد صدیق صاحب چارج مین دھرم پورہ لاہور کو اللہ تعالےٰ نے ۲۸ اور ۲۹ دسمبر کی درمیانی شب کو اپنے فضل و کرم سے پہلا لڑکا عطا فرمایا۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نومولود کو خادم دین بنائے اور لمبی عمر عطا فرمائے

فضل محمد خالد ابن حکیم فتح محمد صاحب ڈگری (سندھ)

خطبہ جمعہ

جماعت کے کمزور حصّے کو مضبوط بنانے اور اس کی کمزوریوں کو دُور کرنے کی کوشش کرو

اپنے نیک نمونہ سے تبلیغ کرو اور لوگوں کے قلوب میں احمدیت کی محبت پیدا کرو

از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۱۸؍ جون ۱۹۵۵ء بمقام احمدیہ ہال کراچی

خطبہ نویس :- مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا

انسانوں پر

زندگی کے کئی دَور

آتے ہیں۔ کبھی انسان دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے۔ کبھی چوسنیاں چوسنے والا بچہ ہوتا ہے۔ کبھی کھیلنے کودنے اور پیار کرنے والا بچہ ہوتا ہے۔ کبھی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والا بچہ ہوتا ہے کبھی نیم بلوغت کے زمانہ میں وہ اچھی تعلیم حاصل کر رہا ہوتا ہے۔ کبھی بالغ ہو کر وہ اپنے مستقبل کے متعلق سوچ رہا ہوتا ہے۔ کبھی اپنی بھرپور جوانی میں وہ شادی بیاہ کرتا ہے۔ اور اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی جوانی کی عمر کا ایک حصّہ گزار کر وہ ادھیڑ عمر میں جا پہنچتا ہے۔ کبھی اس پر بڑھاپا آتا ہے۔ اور پھر کبھی اس پر ایسا بڑھاپا آتا ہے۔ کہ چلنا پھرنا بھی اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ افراد کے جو مختلف دَور ہیں یہی دَور قوموں پر بھی آیا کرتے ہیں۔ کبھی

قوموں کی حالت

بچوں کی سی ہوتی ہے۔ کبھی ان کی حالت بڑی عمر والوں کی سی ہوتی ہے کبھی ان سے بھی بڑی عمر والوں کی سی حالت ہوتی ہے۔ اور کبھی ان پر جوانی کی عمر آتی ہے۔ لیکن جو قومیں خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم کی جاتی ہیں۔ ان پر جوانی کا زمانہ نسبتاً جلدی آ جاتا ہے۔ اور جو قومیں خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت چلنے والی ہوتی ہیں۔ ان پر جوانی کا زمانہ زیادہ دیر تک رہتا ہے۔ پھر اس کے بعد آج تک کا تجربہ یہی بتاتا ہے۔ کہ ہر قوم پر بڑھاپا آ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگ جاتی ہے۔ ہماری جماعت ابھی اپنی

جوانی کے دَور کے قریب

زمانہ میں ہے ہم اپنے آپ کو نابالغ نہیں کہہ سکتے۔ ہم اپنے آپ کو قریب بلوغت کے زمانہ میں بھی نہیں کہہ سکتے۔ اور ہم اپنے زمانہ کو کامل بلوغت کا زمانہ بھی نہیں کہہ سکتے [illegible] قریب بلوغت اور کامل بلوغت کے درمیان جو زمانہ ہوتا ہے وہی عمر پر گزر رہا ہے۔ اور اسی کے مطابق ہماری جماعت کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ وہ عمر ہے کہ اس میں انسان نہ اپنے آپ کو نادان کہہ سکتا ہے اور نہ پورے طور پر اسے تمام کاموں کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ یہ عمر ایسی ہی ہے۔ جیسے اکیس بائیس سال کے نوجوان کی عمر ہوتی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس عمر میں بھی ہماری جماعت میں اپنی ذمہ واریوں کے سمجھنے کا ابھی وہ احساس نہیں ہے۔ جو اس کے اندر ہونا چاہیئے تھا۔ مثلاً پہلی چیز تو یہی ہوا کرتی ہے کہ انسان تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اور اس عمر تک اپنی تعلیم سے قریباً قریباً فارغ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہماری جماعت میں دینی تعلیم اور دینی تربیت کے لحاظ سے ابھی

بہت بڑی کمی

پائی جاتی ہے۔ اکثر حصہ جماعت کا وہ ہے۔ جو قرآن شریف کو نہیں سمجھتا۔ اور ان اکثر میں سے بھی ایک کثیر حصہ ایسا ہے۔ جو ان ذرائع کو بھی جو قرآن کریم کے سمجھنے کے ان کو میسر ہیں صحیح طور پر استعمال کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً ہمارا ملک اردو بولتا ہے۔ یا مختلف صوبوں میں گو اور طرز کے بولنے والے ہیں یا غیر تعلیم یافتہ لوگ ہیں یا صرف صوبجاتی زبان جاننے والے ہیں ان میں سے کوئی سندھی بولتا ہے کوئی بلوچی بولتا ہے۔ کوئی پشتو بولتا ہے۔ کوئی بنگالی بولتا ہے۔ عربی زبان ہمارے ملک میں بطور زبان کے نہیں بولی جاتی۔ بلکہ ہمارے ملک کے لوگوں کو اتنا بُعد عربی زبان سے ہے۔ کہ علماء بھی عربی نہیں بولتے۔ اور اگر کبھی انہیں عربی بولنی پڑے۔ تو وہ اتنا ہچکچاتے ہیں کہ دو فقرے بھی وہ اپنی زبان سے نکالیں گے تو کانپتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور لرزتے ہوئے جہاں تک ان کے

علم کا سوال ہے

اگر ان کو دیکھا جائے۔ تو وہ عرب اور مصر کے علماء سے کم نہیں ہوتے۔ دینی کتب کا انہیں خوب مطالعہ ہوتا ہے۔ لیکن جب عربی بولنے کا سوال آئے۔ تو عرب کا ایک معمولی کمہار یا دھوبی بھی صحیح عربی بولے گا۔ اور وہ دو فقرے بھی نہیں بول سکیں گے۔ یہ نقص صرف اس وجہ سے ہے کہ انہیں عربی بولنے کی مشق نہیں۔ پس ایسے ملک کے لوگوں سے یہ امید کرنا کہ وہ عربی میں قرآن کو سمجھ سکیں گے بہت بعید بات ہے۔ بے شک ہماری کوشش تو یہی ہونی چاہیئے۔ مگر اس امید کے بر آنے کے لئے ایک لمبا زمانہ چاہیئے۔ اور جب اس کے لئے ایک لمبے زمانہ کی ضرورت ہے تو سوال یہ ہے۔ کہ کیا ان کی روح اتنے عرصہ کے لئے امید و بیم میں رکھی جا سکتی ہے۔ فرض کرو تمہارے پاس کھانا نہیں۔ لیکن تم نے اپنے کھیت میں گیہوں بویا ہوا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی روئیدگی بھی اس کی نکلی ہوئی ہے تو کیا تمہاری بھوک کے وقت تمہارے لئے یہ تصور کافی ہوگا۔ کہ

جب یہ روئیدگی بڑھے گی

دانے پکیں گے تو پھر ہم گندم کاٹ کر اپنے گھر میں لائیں گے۔ اور آٹا پسوا کر روٹی پکائیں گے اگر تم اس وقت کا انتظار کرو گے۔ تو تم مر جاؤ گے تمہیں بہرحال اپنی غذا کا کوئی نہ کوئی قائم مقام سوچنا پڑے گا۔ جیسے جو لوگ چاول کھانے کے عادی ہوں انہیں اگر چاول نہ ملیں تو چاہے انہیں نفرت ہو بدہضمی ہو وہ گندم کھائیں گے۔ یا گندم کھانے والے کو اگر کسی وقت گندم میسر نہیں آتی۔ تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ فاقہ کرنے لگ جائے۔ بلکہ وہ چاول پکا کر کھا لیتا ہے چاول نہیں ملتے تو مکی کھا لیتا ہے۔ مکی نہ ملے تو باجرہ کھا لیتا ہے۔ اگر باجرہ نہیں ملتا تو بعض دفعہ وہ ڈھل کھا لیتا ہے (یہ ایک جنگلی دانہ ہے جسے پنجابی میں ڈھل کہتے ہیں۔ اردو نام مجھے معلوم نہیں) جس کو عام حالات میں انسان نہیں کھایا کرتا۔ بہرحال ایسے حالات میں انسان کو اپنی غذا کا قائم مقام سوچنا پڑتا ہے۔

میں مانتا ہوں

کہ ہماری جماعت میں سارے کے سارے عربی نہیں پڑھ سکتے۔ بلکہ اگر پڑھ بھی لیں تو ہماری جماعت میں ہر سال اتنے نئے آدمی داخل ہوتے رہتے ہیں۔ کہ ہم ایسے تعلیمی معیار کو قائم رکھ ہی نہیں سکتے۔ قادیان میں عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم ہم نے کئی دفعہ سو فیصدی تک پہنچا دی تھی مگر دو چار سال کے بعد جب ہم پھر مردم شماری کرتے تو اسی نوے فی صدی پر ان کی تعلیم آ جاتی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہاں ہجرت جاری تھی اور نئی نئی عورتیں باہر سے قادیان میں آتی رہتی تھیں۔ اس لئے پہلا معیار گر جاتا تھا۔ یہی حال جماعت کا ہے۔ جماعت میں بھی ایک روحانی ہجرت جاری ہے اور ہر سال کچھ شیعوں میں سے کچھ سنیوں میں سے کچھ وہابیوں میں سے کچھ حنفیوں میں سے۔ کچھ دوسرے فرقوں میں سے نکل نکل کر لوگ ہمارے اندر شامل ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ قرآن سے واقف نہیں ہوتے پس اگر ہم سارے لوگوں کو

قرآن پڑھا لیتے ہیں

تب بھی کچھ عرصہ کے بعد ایک حصہ ایسے لوگوں کا ضرور نکل آئے گا۔ جو قرآن سے ناواقف ہوگا۔ اور پھر ہمارا فرض ہوگا کہ ہم ان کو قرآن سے واقف کریں۔ بے شک ہمیں ایسے ذرائع میسر نہیں کہ ہم ہر احمدی کو عربی پڑھا سکیں۔ لیکن قرآن ایک ایسی چیز ہے جس کا تھوڑا بہت علم ہر شخص کو ہونا چاہیئے کیونکہ قرآن ہماری روحانی غذا ہے جس طرح روٹی کھائے بغیر انسانی جسم زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح قرآن کے بغیر ہماری روح کبھی زندہ نہیں رہ سکتی جسم کی موت کے بعد انسانی اعضاء سڑنے گلنے شروع ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی انسان کی روح مر جاتی ہے تو اس کا جسم سڑتا گلتا نہیں تم اسے چلتے پھرتے ہوئے دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ اس کی روح بھی زندہ ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہوتا ہے تم اگر ایک دن یا دو دن یا چار دن یا سات دن غذا نہیں کھاتے تو تم سمجھ لیتے ہو کہ اب تم موت کے قریب پہنچ گئے ہو۔

اور جب کوئی مر جاتا ہے۔ تو تمہیں اس کی موت میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ کیونکہ اس کی موت کی علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جب وہ سانس نہیں لیتا۔ جب وہ حرکت نہیں کرتا۔ جب وہ دیکھتا نہیں جب وہ سنتا نہیں۔ جب وہ بولتا نہیں۔ تو تم سمجھ لیتے ہو کہ وہ مر گیا ہے۔ لیکن روحانی موت کی علامتوں کا لبا اوقات تم مطالعہ نہیں کرتے۔ اور یا پھر اپنے آپ کو تم فریب دینا چاہتے ہو۔ کہ اس کے مُردہ ہونے کے باوجود تم اس کو زندہ سمجھتے ہو۔ ایک آدمی روحانی لحاظ سے دس سال سے مرا ہؤا ہوتا ہے۔ لیکن تم اس کے ساتھ بے تکلفانہ زندگی بسر کر رہے ہوتے ہو۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہو کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ بڑے نیک اور بزرگ ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ نماز میں سست ہیں۔ یا فلاں بہت ہی نیک آدمی ہے۔ بڑا مخلص احمدی ہے۔ لیکن چندہ میں سست ہے۔ یا فلاں بڑا بزرگ ہے سلسلہ کے ساتھ بڑا اخلاص رکھتا ہے۔ لیکن ذرا جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔ گویا ایک طرف تو تم یہ کہتے ہو۔ کہ وہ روحانی لحاظ سے مر چکا ہے۔ اس کے اندر

زندگی کے کوئی آثار

نہیں وہ بے نماز بھی ہے۔ وہ جھوٹا بھی ہے۔ وہ چندہ دینے میں بھی سست ہے اور دوسری طرف تم یہ بھی کہتے جاتے ہو۔ کہ وہ بڑا مخلص ہے۔ بڑا نیک اور بڑا بزرگ ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے جرمنی کے ایک بادشاہ کا گھوڑا بیمار ہو گیا۔ وہ گھوڑا بڑا قیمتی تھا۔ اس نے ڈاکٹروں کو بلایا۔ اور کہا کہ اس کا علاج کرو۔ اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد اس کی حالت سے مجھے اطلاع دو۔ اگر ایک ایک گھنٹہ کے بعد مجھے اطلاع نہ ملی تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔ اور جس شخص نے آ کر مجھے یہ اطلاع دی کہ گھوڑا مر گیا ہے۔ میں اسے قتل کر دوں گا۔ ڈاکٹروں نے بڑی کوشش کی کہ وہ کسی طرح اچھا ہو جائے۔ مگر وہ اچھا نہ ہؤا۔ اور مر گیا۔ اب بادشاہ کو اطلاع پہنچانا بھی ضروری تھا۔ اور دوسری طرف وہ یہ بھی سمجھتے تھے۔ کہ جس نے یہ اطلاع پہنچائی اسے قتل کر دیا جائیگا۔ آخر سوچ کر انہوں نے بادشاہ کے ایک منہ چڑھے نوکر کو بلوایا۔ اور اسے کہا۔ کہ تم جاؤ۔ اور بادشاہ کو یہ خبر پہنچا آؤ۔ اگر کوئی اور گیا۔ تو وہ یقیناً مارا جائیگا۔ لیکن اگر تم گئے تو ممکن ہے بادشاہ تمہیں معاف کر دے۔ کیونکہ تمہارا اس کو لحاظ ہے۔ گویا جہاں تک موت کا تعلق ہے اس کا موقعہ تمہارے لئے بھی اتنا ہی ہے جتنا ہمارے لئے۔ لیکن تمہارے ساتھ چونکہ بادشاہ کو محبت ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے۔ وہ تیار ہو گیا آدمی ہوشیار تھا۔ جاتے ہی بادشاہ سے کہنے لگا۔ حضور گھوڑا بالکل آرام میں ہے۔ اسے کوئی تکلیف نہیں وہ

اطمینان سے لیٹا ہؤا ہے۔ نہ وہ تڑپتا ہے نہ وہ دم ہلاتا ہے۔ نہ کان ہلاتا ہے۔ اور نہ آواز نکالتا ہے۔ نہ حرکت کرتا ہے۔ نہ آنکھیں کھولتا ہے۔ بالکل خاموش لیٹا ہؤا ہے۔ بادشاہ نے کہا تو یوں کہو کہ وہ مر گیا ہے۔ اس نے کہا حضور

میں نے یہ الفاظ نہیں کہے

کہ وہ مر گیا ہے۔ یہ حضور خود فرما رہے ہیں۔ تو جیسے اس نوکر نے کہا تھا۔ کہ گھوڑا بالکل آرام میں ہے۔ وہ خاموش لیٹا ہؤا ہے۔ نہ کان ہلاتا ہے نہ دُم ہلاتا ہے۔ نہ سانس لیتا ہے نہ حرکت کرتا ہے۔ وہی کچھ تم کرتے ہو۔ کہتے ہو فلاں بڑا بزرگ اور نیک ہے۔ صرف چندہ نہیں دیتا۔ فلاں بڑا بزرگ اور نیک احمدی ہے۔ صرف نماز نہیں پڑھتا۔ فلاں بڑا بزرگ اور نیک احمدی ہے صرف جھوٹ بولتا ہے۔ فلاں بڑا بزرگ اور نیک احمدی ہے صرف خائن ہے۔ تم اپنی حماقت سے اس کی بزرگی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہو۔ حالانکہ روحانی طور پر وہ مُردہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اسی طرح سڑتا جس طرح جسمانی مردہ سڑا کرتا ہے۔ تو سارا محلہ اس کی بدبو سے بھاگ اٹھتا۔ مگر روح کی سڑاند ایسی چیز ہے۔ کہ فرشتوں کو تو وہ محسوس ہوتی ہے۔ لیکن انسان اسے محسوس نہیں کرتے۔ اس لئے جسم کی سڑاند سے تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ لیکن روح کی سڑاند کے باوجود وہ اسے بزرگ بھی کہتے جاتے ہیں۔ اسے نیک بھی قرار دیتے چلے جاتے ہیں۔ اسے مخلص بھی بتاتے جاتے ہیں۔ گویا تمہاری حسن ظنی اتنی زیادہ ہوتی ہے یا تمہاری

دین سے لاپرواہی اور استغناء

اتنا زیادہ ہے کہ ایک سڑی ہوئی لاش تمہارے سامنے پڑی ہوتی ہے۔ اور تم اسے زندہ کہتے ہو۔ اگر تم میں دین کی محبت کا ذرا بھی احساس ہوتا تو تم سمجھتے کہ یہ لوگ مر گئے ہیں۔ اب ہمیں ان کو دفن کر دینا چاہیئے۔ اور اگر ابھی وہ مرے نہیں۔ صرف روحانی بیمار ہیں۔ تو جس طرح کوئی جسمانی بیمار ہوتا ہے۔ تو تم اس کا علاج کرتے ہو۔ اسی طرح تمہارا فرض تھا۔ کہ تم ان کا علاج کرتے اور ان کی درستی کی کوشش کرتے۔ انسان کا جسم چونکہ مُردہ ہو جاتا ہے۔ اور سب لوگ اس کو جانتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی بیمار ہوتا ہے۔ تو لوگ اس کا علاج کرتے ہیں۔ اور وہ اسے

موت سے بچانے کی کوشش

کرتے ہیں۔ اگر انسانی جسم میں تعفن نہ پیدا ہوتا اور اس میں سڑاند پیدا نہ ہوتی۔ تو شاید لوگ اپنے ماں باپ کا بھی علاج نہ کرتے۔ اور وہ سمجھتے کہ اگر یہ مر بھی گئے۔ تو ہم انہیں کرسیوں پر بٹھا رکھیں گے۔ اور ان کو دیکھتے رہیں گے۔ لیکن محض اسی وجہ سے کہ انسانی جسم سڑ جاتا ہے۔ اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ خواہ کوئی کتنا بھی پیارا

ہو۔ مرنے کے بعد انسان چاہتا ہے کہ اسے جلدی دفن کر دے۔ تاکہ اس کی سڑاند اور بُو اسے پریشان نہ کر دے۔ مگر روحانی طور پر سڑنے کی دوسرے شخص کو بدبو نہیں آتی۔ اس لئے ان کے مرنے کے باوجود تم کوشش کرتے جاتے ہو۔ کہ انہیں زندہ قرار دو۔ حالانکہ

حقیقت یہ ہوتی ہے

کہ جس طرح انسان جسمانی طور پر مرتا ہے۔ اسی طرح وہ روحانی طور پر بھی مرتا ہے۔ اگر وہ روحانی طور پر مرنے والے کی مختلف کیفیتیں ہم محسوس کریں۔ تو ہم ان کی موت سے بہت پہلے ان کے علاج میں مشغول ہو جائیں۔ مگر ہم ان کا علاج نہیں کرتے۔ جس کا

نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ وہ مر جاتے ہیں اور جب وہ مر جاتے ہیں۔ تو سل اور دق کی طرح ان کی بیماری ہمارے اندر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر سل اور دق میں تو جہاں کھانسی ہوئی۔ بخار ہؤا لوگ ڈاکٹر کے پاس دوڑے چلے جاتے ہیں۔ اور یہاں چونکہ تم اس کو زندہ اور تندرست سمجھتے ہو۔ اس لئے تم بھی رفتہ رفتہ دین میں سست ہو جاتے ہو۔ اور اپنی بیماری کا فکر نہیں کرتے۔ کہتے ہو الحمد للہ مجھے احمدیت سے بڑا اخلاص ہے۔ صرف اتنی بات ہے۔ کہ کبھی کبھی جھوٹ بول لیا کرتا ہوں۔ میں بہت ہی فدائی ہوں احمدیت کا اور میں اپنے آپ کو اخلاص اور محبت میں دوسروں سے کم نہیں سمجھتا۔ صرف اتنی بات ہے کہ میں نماز نہیں پڑھتا۔ اس طرح تم بھی مر جاتے ہو۔ اور پھر تمہارا ہمسایہ تم سے اثر قبول کرتا ہے۔ اور وہ بھی مر جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ مُردوں کی ایک جماعت ہو جاتی ہے۔ جو زندوں کے لباس میں ہوتی ہے اور آخری نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے۔ کہ

قومی جدوجہد

کو ایسے لوگ بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ اور نیکیوں میں آگے قدم بڑھانے کا مادہ ان میں نہیں رہتا۔

ہماری جماعت کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ روحانی موت اور جسمانی موت یہ دونوں متوازی چیزیں ہیں۔ روح بھی مرتی ہے۔ اور جسم بھی مرتا ہے۔ جب روح مرتی ہے۔ تو

خدا کی ناراضگی

اور اس سے دُوری کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ اور جب جسم مرتا ہے تو سانس رک جاتا ہے۔ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ کان سننا بند کر دیتے ہیں۔ اور جسم کی حس و حرکت باطل ہو جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جسمانی موت سے روحانی موت زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ کیونکہ

خدائی ناراضگی اور فرشتوں کی لعنت

یہ بڑا بھاری عذاب ہے۔ لیکن جسمانی موت میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ لبا اوقات جسمانی موت پر اللہ تعالےٰ کے فرشتے آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں چلو تمہیں خدا اپنے انعامات دینے کے لئے بلا رہا ہے۔ اور جنت کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں۔ اور آسمانی وجود اس کے لئے دعائیں کرتے اور اسے سلام کہتے ہیں۔ پس ہمارے

نوجوانوں کو چاہیئے

کہ جہاں وہ جسمانی موت سے اتنا گھبراتے اور پریشان ہوتے ہیں۔ وہاں وہ روحانی موت سے بھی اتنا ہی گھبرائیں۔ اور اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ ابھی پرسوں کی بات ہے۔ ایک صاحب نے مجھے بتایا۔ کہ یہاں جو احمدی فوجی افسر یا نیوی کے افسر ہیں وہ قطعی طور پر کوئی چندہ نہیں دیتے۔ مجھے یہ سن کر بڑا تعجب آیا۔ کہ جب میں یہاں آتا ہوں۔ تو وہ شوق سے میرے آگے آ جاتے ہیں۔ اور میرے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں۔ لیکن ان کی عملی حالت یہ ہے۔ کہ وہ چندہ ہی نہیں دیتے۔ گویا ان کا ساتھ ساتھ پھرنا بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے کسی مردہ لاش کو کل لگا کر تھوڑی دیر کے لئے چلا کر دکھا دیا جائے۔ ہم انہیں چلتے پھرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تو سمجھتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ حالانکہ وہ مُردہ لاشیں ہیں۔ اور پھر ہماری جماعت کی بدنامی میں بھی بڑا حصہ انہی کا ہے۔ احرار ہمیشہ یہی شور مچاتے رہے اور

تحقیقاتی عدالت

کے سامنے بھی انہوں نے یہی کہا۔ کہ احمدی فوج پر قابض ہیں۔ اور جو فوج میں احمدی ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ جماعتی طور پر ہمارے لئے کوئی فائدہ بخش نہیں۔ ہمارے خلاف جتنی شورش ہوئی ہے اس میں بڑا حصہ دشمن کے اس پراپیگنڈا کا ہے۔ کہ فوج میں اور نیوی میں یہ لوگ دوسروں سے بہت آگے ہیں اور ان کی نیت خراب ہے۔ مگر نیوی والوں کی یہ حالت ہے۔ کہ ان میں سے بہت کا احمدیت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صرف

نام کے لحاظ سے

وہ احمدی کہلاتے ہیں۔ ورنہ عملی طور پر وہ کوئی احمدی نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے۔ کہ نیوی میں سو کے قریب احمدی ہیں۔ جن میں سے صرف دو

باقاعدہ چندہ

دیتے ہیں۔ جب حالت یہ ہے۔ تو نیوی میں ہمارا سو آدمی کہاں ہؤا۔ ہمارے تو صرف دو آدمی ہوئے۔ باقی صرف نام کے طور پر

احمدی کہلاتے ہیں۔ اگر وہ احمدیت کو چھوڑ دیتے تو یقیناً ہمیں کوئی نقصان نہ ہوتا کیونکہ چندہ تو وہ اب بھی نہیں دیتے۔ پھر ہمیں نقصان کیا ہوتا۔ البتہ ہمیں یہ فائدہ ضرور ہو جاتا کہ وہ لوگ جو ہمارے خلاف تقریریں کیا کرتے ہیں کہ فوج میں اور پولیس میں اور نیوی میں ہر جگہ احمدیوں نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ ان کا مونہہ بند ہو جاتا اور بجائے اس کے کہ وہ یہ کہتے کہ پچاسی فی صدی فوج پر احمدی قابض ہیں وہ یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ ایک لاکھ میں سے صرف دس یا بیس احمدی فوج میں ہیں تو ان کے احمدیت کے چھوڑ دینے سے یقیناً احمدیت کو بہت زیادہ فائدہ پہنچ جاتا اور دشمن یہ اعتراض نہ کر سکتا۔ پس اگر وہ چندہ نہیں دیتے۔ تو انہیں کم از کم یہ طریق اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ

جماعت کو بدنام نہ کریں

اور احمدیت کو ترک کرنے کا اعلان کر دیں یہ بھی ان کی اللہ تعالےٰ کے حضور ایک رنگ کی خدمت ہو گی کہ انہوں نے چندہ نہیں دیا تو کم از کم جماعت کی عزت بچانے کے لئے انہوں نے اپنی روحانی موت کا آپ اعلان کر دیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ اس کی ذمہ داری ایک حد تک باقی جماعت پر بھی ہے۔ ہر شخص جو خراب ہوتا ہے۔ وہ دفعتہً نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ اور جب کوئی خرابی کی طرف اپنا قدم بڑھانے لگتا ہے۔ تو کیوں جماعت کے لوگ اسے نہیں سمجھاتے۔ کیوں اس کی منت سماجت نہیں کرتے۔ کیوں اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اسے سمجھائیں۔ اسے نصیحت کریں اسے

تحریص و ترغیب دلائیں

اس کے دینی احساسات کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ ہاں کچھ عرصہ کے بعد جب دیکھیں کہ وہ اپنے اندر کوئی تغیر پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ تو اسے چھوڑ دیں اور سمجھ لیں کہ اب وہ روحانی لحاظ سے مر چکا ہے جیسے پانی میں ڈوبنے والا جب ڈوب جاتا ہے۔ تو پانی سے اگر ڈیڑھ دو گھنٹے کے اندر اندر اسے نکال لیا جائے اور اسے مصنوعی تنفس دلایا جائے۔ تو طب کہتی ہے کہ کئی لوگ بچ جاتے ہیں اور ڈوبنے کے دس پندرہ منٹ کے اندر اندر اگر اسے نکال لیا جائے تو اکثر لوگ بچ جاتے ہیں۔ لیکن اگر چوبیس گھنٹے گذر جائیں یا دو تین دن گذر جائیں۔ تو پھر اسے زندہ کرنے کی ہر کوشش بے کار ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر تمہارا کوئی بھائی کمزور ہے۔ تو تم اسے

سمجھانے کی کوشش کرو

اس کے لئے دعائیں کرو۔ اسے وعظ اور نصیحت کرو۔ لیکن جس طرح وہ شخص احمق سمجھا جائے گا جس کے بھائی کو ڈوبے ہوئے دو تین دن گذر چکے ہیں اور وہ اس کے ہاتھ ہلا رہا ہے اور اسے مصنوعی تنفس دلا رہا ہے اسی طرح وہ شخص بھی احمق سمجھا جائے گا۔ جو سالہا سال تک سمجھاتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر یقین رکھتا ہے کہ ابھی وہ زندہ ہے۔ جس طرح ڈوبنے کے دس پندرہ منٹ یا ڈیڑھ دو گھنٹے کے اندر اندر بچانے کی کوشش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ طب کہتی ہے کہ ۲ گھنٹے تک بعض ڈوبنے والے زندہ ہو سکتے ہیں اسی طرح طب یہ بھی کہتی ہے کہ اگر چوبیس گھنٹے کے بعد کوئی شخص ڈوبنے والے کو زندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ اتنے عرصہ میں اس کی حقیقی موت واقعہ ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کمزوری دکھائے تو۔

سب دوستوں کا فرض ہے

کہ وہ اس کے پاس جائیں اور اسے سمجھائیں لیکن چھ مہینے یا سال کے بعد بھی اگر وہ اصلاح کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ تو اسے مردہ قرار دے دیں۔ میں نے دیکھا ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ دس سال ہو گئے۔ فلاں کی ایسی حالت ہے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے حالانکہ یہ بیوقوفی کی بات ہے۔ یہ ویسا ہی ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ دس سال فلاں کے ڈوبنے پر گذر چکے ہیں۔ مگر میں اب بھی اسے مصنوعی تنفس دلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ایسے آدمی کو تم مردہ سمجھو۔ اور اس سے اپنے تعلقات منقطع کر لو۔ بہرحال نیوی میں اگر ایک احمدی باقاعدہ چندہ دینے والا ہے تو ایک کو احمدی سمجھو۔ اگر دو چندہ دینے والے ہیں تو دو کو احمدی سمجھو۔ باقیوں کو کہو کہ تم ہمارے پاکستانی بھائی ہو۔ ہمارے ملکی بھائی ہو۔ لیکن احمدیت والا بھائی چارہ ہمارا تمہارے ساتھ کوئی نہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ آخر الدواء الکیّ آخری علاج داغ دینا ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ ادھر نزلہ ہوا کھانسی ہوئی اور ادھر داغ دے دیا۔ ہاں جب سارے علاج ختم ہو جاتے ہیں۔ تو پھر پلستر لگانا یا داغ دینا پڑتا ہے یا فصدیں کھولنی پڑتی ہیں۔ بہرحال یہ سب آخری علاج ہیں۔ اس سے پہلے پہلے ہمارا فرض ہے کہ ہم اصلاح کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ اگر اس کے بعد بھی ان کی اصلاح نہ ہو تو پھر ہمارا اور ان کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ بے شک اس کے نتیجہ میں کچھ لوگ ہم سے الگ ہو جائیں گے۔ لیکن اس صورت میں بھی ہمیں فائدہ ہی پہنچے گا۔ کیونکہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ مردوں کو اپنے ساتھ نہیں رکھتے یہ زندوں کی جماعت ہے۔ مردوں کی جماعت نہیں۔

کراچی کی جماعت

کو اس بارہ میں بے شک مشکلات ہیں۔ کیونکہ یہاں ہر گروپ کے لوگ جماعت کا حصہ ہیں جن کی ذمہ دار عہدیداروں کو نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ اور پھر یہاں ماحول اس قسم کا ہے کہ مختلف قسم کی سوسائٹیوں میں شامل ہونے کی وجہ سے اخراجات زیادہ ہو جاتے ہیں اور جب اخراجات زیادہ ہو جائیں۔ تو کمزور آدمی کے لئے چندہ دینا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ مختلف قسم کے بہانے بنانے لگ جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم اپنا سارا روپیہ اپنے باپ کو بھیج دیتے ہیں۔ اور جب باپ سے پوچھا جائے۔ تو وہ کہتا ہے کہ اس نے تو مجھے ساری عمر میں کبھی ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔

کوئی کہہ دیتا ہے

کہ میں لوکل سکرٹری کو چندہ دے دیتا ہوں۔ لوکل سکرٹری انکار کرے تو کہہ دیتا ہے کہ میں شہر کے احمدیوں کو دے دیتا ہوں۔ اور جب دونوں طرف سے پکڑا جاتا ہے تو کہتا ہے مجھے بڑی مشکلات ہیں۔ گھر میں ایسی بیماری ہے کہ اس کے اخراجات ہی پورے ہونے میں نہیں آتے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد پوچھا جائے۔ کہ بتائیے۔ بیماری دور ہوئی ہے یا نہیں۔ تو کہہ دیتا ہے کہ اب تو فلاں اخراجات آ پڑے ہیں جب کچھ اور انتظار کے بعد پھر چندہ مانگا جاتا ہے۔ تو وہ گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ انہیں تو اور کوئی کام ہی نہیں۔ ہر وقت چندہ ہی چندہ مانگتے رہتے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ وہ روحانی لحاظ سے بالکل مردہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال دوسری جماعتوں اور یہاں کی جماعت میں فرق ہے۔ باہر اگر عہدیدار سست نہ ہوں۔ تو عموماً جماعت کے چندوں میں کمی نہیں آتی۔ کیونکہ سب ایک ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں مختلف گروہوں کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اور ان سب پر جماعت کو کنڑول کرنا پڑتا ہے۔ پس

اس جگہ کی مشکلات

اور باہر کی مشکلات میں فرق ہے۔ لیکن جہاں اس جگہ کی مشکلات زیادہ ہیں وہاں مختلف قسم کے لوگوں کی وجہ سے کئی قسم کے تجربات حاصل کرنے کے مواقع بھی یہاں کی جماعت کو زیادہ حاصل ہیں۔ ہمارے سامنے تو جو مختلف واقعات آتے ہیں ان سے ہم ایک نتیجہ نکال لیتے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے عملی مشکلات پیش آتی ہیں۔ پس اس بارہ میں جو ان کا تجربہ ہے اس کی نوعیت بالکل اور رنگ کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہر شخص کی بیماری اور اس کے نقص کو مدنظر رکھتے ہوئے علاج نہ کیا جائے۔ اس وقت تک پوری کامیابی نہیں ہو سکتی۔ سب لوگوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے ہمیں یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں میں نقائص پائے جاتے ہیں۔ لیکن قومی اصلاح کی جدوجہد جو تمام افراد کی اصلاح کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب ہر شخص کے حالات کا الگ الگ جائزہ لیا جائے اور اس کے مطابق اپنی کوششوں کو جاری رکھا جائے میں چونکہ

زمیندار خاندان میں سے ہوں

اس لئے مجھے زمینداری اور باغ وغیرہ لگانے کا خاص شوق ہے۔ میں نے قادیان میں ایک دفعہ اپنے مالی کو بلایا اور اسے کہا کہ تم ایک چکر روزانہ باغ میں لگاتے ہو اور اسے کافی سمجھتے ہو۔ میری ہدایت یہ ہے کہ آئندہ جب تم چکر لگاؤ تو بیمار درختوں کے ساتھ ایک لال دھجی باندھ دیا کرو۔ دوسرے دن ایک کی بجائے دو چکر لگاؤ ایک ان درختوں کیلئے جن پر لال دھجی بندھی ہو اور دوسرا ان درختوں کیلئے جن پر لال دھجی نہ ہو۔ جب لال دھجی والے درخت اچھے ہو جائیں تو انکی دھجیاں کھولتے جاؤ اس طرح تمہیں پتہ لگتا رہے گا۔ کہ کون کون سے پودے بیمار ہیں۔ جن کی تمہیں نگہداشت کرنی چاہیئے۔ اگر تم یونہی چکر لگاتے رہو گے۔ تو بیمار پودوں کی طرف تم کوئی توجہ نہیں کرو گے اور وہ رفتہ رفتہ مر جائیں گے اسی طرح جماعت کے جو سست افراد ہیں۔ انکا

ایک مکمل ریکارڈ

جنرل سیکرٹری کے پاس ہونا چاہیئے اور اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ فلاں شخص میں جھوٹ بولنے کا مرض ہے، فلاں میں نماز کی سستی کی عادت پائی جاتی ہے۔ فلاں چندہ میں سست ہے۔ فلاں میں بدکلامی کی عادت ہے فلاں میں مہمان نوازی کی عادت نہیں۔ اور پھر کوشش کرو کہ ان کی یہ بیماریاں دور ہو جائیں۔ مولوی عبدالمالک صاحب یہاں سلسلہ کے مبلغ ہیں۔ مگر یہاں کی جماعت اب اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ ان کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ میں نے جماعت والوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مرکز سے اور مبلغ منگوانے کی کوشش کریں اگر وہ آجائیں تو ان کی مدد سے ایسے لوگوں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنائی جائیں قرآن کریم کی آیات سے ان کو وعظ کیا جائے۔ اور ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسکے علاوہ تمہارا اپنا نمونہ ایسا ہونا چاہیئے کہ چاہے تم زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہو تمہارے عمل سے لوگوں کو خود بخود

تبلیغ ہوتی چلی جائے۔ اگر ایک احمدی رشوت نہیں لیتا ظلم نہیں کرتا۔ لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہے کام میں دیانت دار ہے۔ محنت کا عادی ہے۔ قربانی اور ایثار سے کام لیتا ہے تو احراری ٹائپ کا کوئی آدمی خواہ اس کی مخالفت کرے

یہ لازمی بات ہے

کہ جب ترقی کا وقت آئے گا تو افسر اس کی سفارش کریں گے اور کہیں گے کہ یہ بڑا محنتی اور بڑا ہوشیار ہے اور جب افسر اس کی سفارش کریں گے تو مخالفین کا پراپیگنڈا خود بخود باطل ہو جائے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ احمدیوں کو بلاوجہ بدنام کیا جاتا ہے ورنہ وہ بڑے محنتی اور دیانتدار ہیں۔ پس اپنے کیریکٹر سے اپنی فوقیت ثابت کرو اور لوگوں کو احمدیت کی طرف مائل کرو مجھے

ایک احمدی کا واقعہ

معلوم ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ سنایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ کوئی احمدی ایسا ہی تھا جس پہ جھوٹے الزام لگا لگا کے اُسے سزا دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ پولیس اور فوج کے کچھ آدمیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اور انہوں نے ایک دوسرے کو مارا پیٹا۔ وہ انہیں ہٹاتا تھا مگر لوگ رکتے نہیں تھے۔ بعد میں جب تحقیقات ہوئی تو فوجی سپاہیوں نے مارپیٹ سے انکار کیا۔ پولیس والوں نے کہا کہ ایک اور شخص بھی ان میں تھا جو ان کو لڑائی سے باز رکھتا تھا۔ وہ اس وقت پیش نہیں ہے۔ آخر معلوم ہوا کہ لڑائی کے بعد اس پر کوئی الزام لگا کر فوجی حوالات میں اسے دیدیا گیا۔ جب اسے وہاں سے نکالا گیا تو اس نے سچی بات بتادی جب سپرنٹنڈنٹ پولیس کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے فوجی افسر کو لکھا کہ آپ اس کی ضرورت نہیں اسے ڈسچارج کر کے میرے پاس بھجوادیں۔ چنانچہ وہ فوج سے ڈسچارج کر دیا گیا۔ اور پولیس میں اسے ملازمت مل گئی۔ تو

اعلیٰ کیریکٹر

بہرحال دوسروں پر اثر کرتا ہے۔ پس ہمیں اپنے کیریکٹر کو بلند رکھنے اور اپنے اخلاق کو اعلیٰ بنانے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ اور ایسا نمونہ ان کے سامنے پیش کرنا چاہیئے کہ خود بخود ان کے دل ہماری طرف مائل ہوتے چلے جائیں ابھی کل ہی ایک دوست نے سنایا کہ ایک پاکستانی رئیس مصر سے آیا ہے۔ اس نے سنایا کہ ہمیں مصر میں کچھ مصری ملے اور محبت سے سلام کیا۔ پھر کہا کہ آپ لوگوں نے امریکہ سے جو فوجی مدد لی ہے اس کو ہم اچھی نظر سے نہیں دیکھتے کیونکہ امریکہ ہمارا دشمن ہے لیکن ایک چیز ہے جس کی وجہ سے ہم آپ کی عزت کرنے پر مجبور ہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ نے

ساری دنیا میں مبلغ

بھیجے ہوئے ہیں۔ گویا ہمارے مبلغ بھیجنے کا ان کی طبیعتوں پر اتنا اثر ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کارنامہ کی وجہ سے پاکستان کی عزت کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کو یہ پتہ نہیں کہ پاکستان میں ہمارے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم عیسائیوں وغیرہ کو تبلیغ کرتے ہیں۔ گویا یہاں ہمارے مشنوں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کا موجب قرار دیا جاتا ہے۔ اور باہر پاکستان کی اس لئے عزت کی جاتی ہے کہ یہاں سے تمام دنیا میں مبلغ بھیجے جاتے ہیں۔ تو اپنے نیک نمونہ کے ساتھ لوگوں کو تبلیغ کرو اور ان کے دلوں میں احمدیت کی محبت بٹھاؤ۔ ملازم لوگ بے شک اپنے مونہہ سے ایک لفظ بھی احمدیت کی تائید میں نہ نکالیں لیکن دیانت داری تو ان کے اپنے اختیار میں ہے۔ کام کو محنت سے کرنا اور عمدگی سے سرانجام دینا تو ان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اگر وہ

دیانت داری اختیار کریں

محنت اور ہوشیاری کے ساتھ کام کریں تو ان کی احمدیت کبھی چھپ نہیں سکتی۔ فرض کرو ایک شخص یہ نہیں کہتا کہ میں احمدی ہوں۔ لیکن جمعہ کا دن آتا ہے تو وہ نماز کے لئے چل پڑتا ہے۔ لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ آپ کہاں جمعہ پڑھیں گے اور وہ یہ کہتا ہے احمدیہ ہال میں اس پر خود بخود لوگ اس سے کہیں گے کہ اچھا آپ احمدی ہیں۔ اسی طرح خواہ وہ زبان سے نہ کہے کہ میں احمدی ہوں۔ لیکن جب وہ جلسہ سالانہ پر جائے گا تو لوگوں کو خود بخود پتہ لگ جائے گا کہ یہ احمدی ہے۔ اس طرح اس کا احمدی ہونا کبھی چھپ نہیں سکتا۔ پس

ملازم پیشہ احباب کو چاہیئے

کہ وہ اپنا نمونہ ایسا اعلےٰ بنائیں کہ لوگ دیکھتے ہی محسوس کرنے لگیں کہ ان لوگوں میں اور دوسرے لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً اگر وہ پاکستان کے لئے دوسروں سے زیادہ غیرت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کی دوسروں سے زیادہ خیر خواہی کرتا ہے۔ ان کی تکالیف میں دوسروں سے زیادہ ہمدردی کرتا ہے تو ہر شخص دوسرے سے خود بخود پوچھے گا کہ یہ کونسا پاکستانی ہے جو پاکستان کی حفاظت کے لئے دوسروں سے زیادہ قربانی کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور جب لوگ اسے بتائیں گے کہ یہ احمدی ہے تو بغیر اس کے کہ وہ ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالے

خود بخود تبلیغ ہوتی چلی جائے گی

اور لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جب احمدی اس قسم کے نیک اور خیر خواہ اور ملک و ملت کے ہمدرد اور جاں نثار ہوتے ہیں تو ہم کیوں نہ احمدی بن جائیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار ہو گیا ہے اور یہ اس کے گھر پر جاتا اور اس کی خدمت کرتا اور اس کی تیمارداری میں حصہ لیتا ہے تو دوسرے کے دل میں خود بخود اس کی محبت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ اور جب کسی موقعہ پر اس کے اپنے بھائی احمدیوں پر اعتراض کریں گے تو وہ کہے گا کہ تم غلط کہتے ہو۔ میں بیمار ہوا تھا تو تم نے تو مجھے پوچھا بھی نہیں مگر فلاں احمدی میری رات دن خدمت کرتا رہا۔ پس میں کس طرح سمجھ لوں کہ احمدی بُرے ہوتے ہیں۔ پس

تبلیغ کا راستہ

تمہارے لئے بند نہیں۔ تم گورنمنٹ کے حکم کے ماتحت اور اخلاقی ذمہ داری کے ماتحت زبان سے تبلیغ نہ کرو۔ مگر کیا گورنمنٹ یا اور کوئی شخص تم کو یہ بھی حکم دیگا کہ تم دوسروں سے زیادہ دیانت دار نہ بنو۔ دوسروں سے زیادہ حب الوطنی نہ دکھاؤ۔ دوسروں سے زیادہ بنی نوع انسان کے خدمت گذار نہ بنو۔ دوسروں سے زیادہ راست باز نہ بنو۔ اور یہ بھی ایک تبلیغ ہے جس کی قانون اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ وہ ہر پاکستانی سے اس کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور جو لوگ ملازم پیشہ نہیں ان کے لئے اس میں کیا مشکل ہے کہ وہ اپنے اپنے رشتہ داروں اور گہرے دوستوں کو سمجھائیں اور جو اعتراض علماء نے ہم پر کئے ہیں ان کا جواب دیں کیا رشتہ داروں کی غلط فہمیاں دور کرنے سے کوئی روک سکتا ہے۔ اگر غلط فہمیاں دور کرنے کو کوئی روکتا ہے تو اسے پہلے غلط فہمی پیدا کرنے والے کو روکنا چاہئیے۔ اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ خود غیر احمدیوں نے ہمارے خلاف اس قدر مواد جمع کر دیا ہے کہ ہم اگر رات دن ان کے اعتراضات کو دور کرتے رہیں تو یہی

ایک بڑا کام ہے

اگر تم ان کے اعتراضات کے جوابات دو اور انہیں بتاؤ کہ احمدیت کیا کہتی ہے تو یقیناً ایک دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور جب انہیں نظر آئیگا کہ تم سچے ہو اور تمہارے دشمن تم پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں تو لازماً تمہارے دوستوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اور تمہارے دشمنوں کی تعداد گھٹتی جائے گی اور اگر لوگ سمجھ لیں گے کہ تم مسلمانوں کے خیر خواہ ہو اور ہمیشہ ان کی ترقی کی کوشش کرتے ہو تو وہ آپ ہی آپ فیصلہ کریں گے کہ تمہارے مخالف غلطی پر ہیں۔ پس اپنے رویہ کو بدلو اور جماعت کے

کمزور حصّہ کی اصلاح

کرنے کی کوشش کرو اور ہر احمدی کے کیریکٹر کا جائزہ لے کر اس کے مرض کو دور کرنے کی طرف توجہ کرو۔ اگر ایک شخص کو مرض ہے نماز نہ پڑھنے کا اور تم اس کو چندہ کا وعظ کرتے ہو۔ یا ایک شخص کو چندہ نہ دینے کا مرض ہے اور تم اس کو نماز کا وعظ کرتے ہو تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسے کھانسی والے کو سر درد کی دوا دے دی جائے اور سر درد والے کو کھانسی کی دوا دے دی جائے یا ہیضہ والے کو نقرس کی دوا دیدی جائے۔ جس طرح یہ بیوقوفی ہے اسی طرح وہ بھی بیوقوفی ہے۔ پس علاج ہمیشہ مرض کے مطابق کرو اور جماعت کے کمزور حصہ کو مضبوط بنانے اور اس کی کمزوریوں کو دُور کرنے کی کوشش کرو۔

جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ ۱۹۵۴ء کی مختصر روئداد

۲۷ دسمبر کے پہلے اجلاس کی کارروائی

فضائل قرآن کریم پر مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل کی تقریر

(۳)

۲۷ دسمبر کے پہلے اجلاس میں مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین ربوہ نے "فضائل قرآن کریم بمقابلہ کتب دیگر" کے موضوع پر ایک نہایت پُر معارف تقریر کی جس میں آپ نے قرآن مجید کا کتب سابقہ سے رشتہ وتعلق واضح کرنے کے بعد دیگر ادیان کی کتب کے مقابلہ میں قرآن مجید کے سولہ فضائل بیان کئے۔ آپ نے ان فضائل کے بارے میں قرآنی آیات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس امر پر بھی روشنی ڈالی کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے موجودہ زمانہ میں قرآن مجید کے ان فضائل کو کیسے لطیف پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے دوران تقریر میں جابجا حضور علیہ السلام کی پُر معارف تحریرات بکثرت پیش کر کے مضمون کی افادیت کو چار چاند لگا دئیے۔ نیز آپ نے یورپین مستشرقین کے حوالے بھی پڑھ کر سنائے اور اس امر کو بخوبی واضح کیا کہ قرآن مجید کے یہ فضائل خود اغیار کے نزدیک بھی مسلّم ہیں۔ آپ کی اس بصیرت افروز تقریر کے بعد ۲۷ دسمبر کا پہلا اجلاس پونے بارہ بجے دوپہر اختتام پذیر ہوا۔

تشہد و تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا۔ پہلے قرآن مجید کا کتب سابقہ سے رشتہ وتعلق معلوم ہونا چاہیئے۔ چنانچہ قرآن مجید کتب سابقہ کا حریف اور مکذب نہیں ہے بلکہ ان کا مصدق اور مکمل ہے۔ اس کی تائید میں آپ نے متعدد قرآنی آیات پیش کرنے کے بعد ثابت کیا کہ (۱) قرآن مجید کتب سابقہ کو بنیادی طور پر سچا ٹھہراتا ہے (۲) ان میں قائم وموجود صداقتوں کو اپناتا ہے (۳) ان کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہے (۴) کتب سابقہ میں داخل کردہ غلطیوں کا ازالہ کرتا ہے۔ کتب سابقہ کے اختلافات میں فیصلہ کرتا ہے (۶) اور قائم رکھی جانے والی تعلیمات اور دائمی صداقتوں پر حاوی ہے۔ اور اس طرح اخلاقی تمدنی سیاسی اور روحانی۔ انفرادی و اجتماعی تعلیم کو کامل رنگ میں پیش کرتا ہے

فضائل قرآن کریم

کتب سابقہ سے قرآن مجید کا تعلق اچھی طرح واضح کرنے کے بعد مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب نے بڑی تفصیل سے قرآن مجید کے فضائل بیان کئے اور کم وبیش سولہ فضائل پر روشنی ڈالی۔

پہلی فضیلت:۔ قرآن مجید کا دائرہ ساری قوموں، ساری نسلوں اور سارے زمانوں تک وسیع ہے۔ اس ضمن میں آپ نے عملاً بھی قرآن مجید کا عالمگیر ہونا ثابت کیا۔ اور انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کا حسب ذیل حوالہ بھی پیش فرمایا:۔

"اِسے (قرآن مجید کو) بجا طور پر تمام مروجہ کتابوں میں سے ایک ایسی کتاب کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جو انتہائی وسیع پیمانے پر پڑھی جاتی ہے"

(جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۷)

دوسری فضیلت:۔ قرآن مجید حریت فکر اور آزادی رائے کا علمبردار ہے وہ دلیل سے قائم کرنے اور برہان سے منوانے پر زور دیتا ہے۔ جبر وتشدد کا قائل نہیں۔ اس نے اپنے مخالفین سے ہر دعوے پر دلیل اور ہر عقیدے پر بینہ کا مطالبہ کیا ہے جیسا کہ فرمایا (۱) قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین (۲) لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حیّ عن بینۃ۔ آپ نے کہا اپنے ہر دعوے پر دلیل پیش کرنا وہ بے مثال فضیلت ہے جو بجز قرآن مجید کے کسی دوسری الہامی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اس بارے میں آپ نے حضور علیہ السلام کی تصنیفات "جنگ مقدس" اور "اسلامی اصول کی فلاسفی" سے متعدد حوالے پیش کر کے بتایا کہ قرآن کریم کی اس فضیلت کو حضور علیہ السلام نے بڑی تحدی کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔

تیسری فضیلت:۔ قرآن مجید کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ محفوظ کتاب ہے اس نے خود اپنی حفاظت کا ان الفاظ میں دعویٰ کیا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ آپ نے فرمایا قرآن مجید کی یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ خود دشمن بھی اس کے معترف ہیں اس ضمن میں آپ نے جرمن مستشرق نولڈیک اور سر ولیم میور کی شہادتیں پیش کیں۔ چنانچہ نولڈیک نے لکھا ہے:۔

"یورپی سکالرز اس کوشش میں ناکام رہے ہیں کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف یا تصرف کا دخل ثابت کر سکیں۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا زیر لفظ قرآن)

اسی طرح سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

"یہ قرآن کے اصل متن کو جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ماننے والوں کو دیا اور اُس سے مختلف مواقع پر استفادہ کیا اور جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اسے ہر قسم کا اندرونی اور بیرونی تحفظ حاصل ہے۔"

(لائف آف محمدؐ)

چوتھی فضیلت:۔ قرآن مجید کی بنیاد انسانی مساوات ہے۔ باقی تمام کتب انسانی حقوق کی مساوات کے بارے میں بالکل خاموش نظر آتی ہیں۔ ویدوں نے ذات پات کی تمیز پر زور دیا ہے۔ انجیل تو خطاب بھی صرف اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں سے کرتی ہے۔ یہ صرف قرآن ہی ہے جس نے مساوات انسانی کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا ہے:۔

یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثٰی وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم

پھر قرآن مجید نے مسلمانوں کی عملی زندگی کو اس طور پر استوار کیا ہے کہ ہمیں قدم قدم پر مساوات کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ اور اسی طرح تمام دوسرے دینی احکامات پر عملدرآمد میں کسی قسم کی تفریق جگہ پا ہی نہیں سکتی اور "ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز" کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

پانچویں فضیلت:۔ قرآن مجید نے نسلِ انسانی میں امن کے قیام کی بنیاد رکھی ہے وہ تمام پیشوایانِ مذاہب کا احترام لازمی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنی دعوت کا آغاز تصدیق سے ہوتا ہے نہ کہ کسی نبی یا مذہبی کتاب کے انکار سے۔ اسی طرح اس نے عصمتِ انبیاء کو قائم کر کے مختلف قوموں اور فرقوں کی باہمی آویزش کا راستہ ہمیشہ ہمیش کے لئے بند کر دیا ہے۔

چھٹی فضیلت:۔ قرآن نے کامل عبادت پیش کی ہے جو ہر لحاظ سے جامع ہے۔

ساتویں فضیلت:۔ قرآن مجید ایک ایسی زبان میں نازل ہوا جو ام الالسنہ ہے عربی زبان نہ صرف یہ کہ ایک زندہ زبان ہے بلکہ جذبات کے اظہار اور بیان کے اعتبار سے بھی کامل زبان ہے۔

آٹھویں فضیلت:۔ قرآن مجید ہی وہ آسمانی کتاب ہے جس کے ذریعہ اکمال دین ہوا ہے جیسا کہ فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

نویں فضیلت:۔ قرآن مجید ہمیشہ کے لئے پیشگوئیوں پر مشتمل ہے اور یہ فضیلت اس کے ایک زندہ کتاب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ قرآن نے امت مسلمہ کے ارتقاء تنزل اور پھر ارتقاء کا پہلے ہی سے نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

دسویں فضیلت:۔ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کی کوئی نظیر نہ پہلے پیش کی جا سکی ہے اور نہ آئندہ پیش کی جا سکے گی۔

گیارھویں فضیلت:۔ قرآن مجید قانون قدرت کے نہ صرف مخالف نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے جہاں شریعت خدا کا قول ہے قانون قدرت اس کے فعل کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے نئے نئے علوم سیکھنے کی طرف رغبت دلائی۔ اور اس طرح علوم جدیدہ کے انکشافات کیلئے بنیاد رکھی۔

بارھویں فضیلت:۔ قرآن مجید محکمات اور متشابہات پر مشتمل ہے اور اس امر کا مدعی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے شریعت میں لچک رکھی ہے۔ قرآن کی اس خوبی کے پیش نظر اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ عقل سے استنباط کی راہیں اور مسائل کا تصفیہ جاری ہے۔

تیرھویں فضیلت: قرآن مجید انسانی زندگی کے لئے کامل اسوۂ حسنہ پیش کرتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ

چودھویں فضیلت:۔ قرآن مجید ناقابلِ منسوخ شریعت ہے۔ کیونکہ یہ سب انسانی ضروریات کو آخر تک پورا کرنے والا ہے کوئی ضرورت اس سے باہر نہیں جیسا کہ فرمایا۔ واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل لکلماتہ ولن تجد من دونہ ملتحدا۔

پندرھویں فضیلت:۔ قرآن کی دعائیں نہایت ارفع و اعلیٰ ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے سورہ فاتحہ کے متعلق متعدد مستشرقین کے تعریفی حوالہ جات بھی پیش کئے۔

سولھویں فضیلت:۔ قرآن مجید ہر زمانہ میں تازہ پھل دیتا رہا ہے اور آئندہ بھی دیتا چلا جائے گا۔

درخواست دعاء:۔ میرا بھتیجا عزیز مبشر احمد بعارضہ بخار بیمار ہے۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اسے صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے اور خادم دین بنائے۔ آمین۔ محمد یعقوب کاتب